جناب کریم الدین صاحب ۔ جدّہ

قرآنِ حکیم
بائیبل
اور
جدید سائنس

ایک جائزہ ایک تبصرہ

تمہید:- زیرِ تبصرہ کتابچہ مشہور فرانسیسی ڈاکٹر جناب موریس بکائی صاحب کے ایک لیکچر کا اردو ترجمہ ہے جو بات اس میں نیز ڈاکٹر صاحب کی ضخیم کتاب "بائبل، قرآن اور سائنس" (جو انگریزی اور اردو میں بھی دستیاب ہے) میں احقر کو خصوصاً کھٹکی، وہ ان کا یہ خیال ہے کہ مفسرین قرآن سائنس سے ناواقفیت کی بنا پر قرآن مجید کی تکوینی آیات کی صحیح اور شافی تفسیر نہ کر سکے۔ یہ خیال انتہائی غلط اور منجملہ فتن قربِ قیامت کے ایک فتنہ ہے جس سے اس لیکچر کے مترجم صاحب سب سے پہلے متاثر ہوئے۔ اور ان کے علاوہ نہ معلوم کتنے مسلمانوں کا ذہن اس کتابچہ نیز کتاب سے بگڑا ہو گا۔ اس لئے بطور تبلیغ اس زہر کا تریاق یعنی تبصرہ ذیل سپردِ قلم کیا جا رہا ہے امید ہے کہ قارئین کرام توجہ سے مطالعہ فرمائیں گے۔ اور اپنے اہلِ تعلق کو بھی اس کے مندرجات پر مطلع ہونے کا موقع دے کر ماجور ہوں گے۔ اس تبصرہ میں ڈاکٹر صاحب یا مترجم صاحب کی باتیں نمبروار بحوالہ صفحہ شروع میں الٹے اور سیدھے واوین کے درمیان لکھ کر ان پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

تبصرہ - (۱) "ایک عیسائی ہونے کے باوجود ڈاکٹر بکائی نے قرآن مجید کا معروضی مطالعہ کر کے ایسے حقائق دریافت کئے ہیں جن کی تصدیق جدید سائنس نے کر دی ہے۔ جو علمی پسماندگی اور سائنسی علوم سے ناواقفیت کی بنا پر ہمارے مسلمان مفسرین (قدیم ہوں یا جدید) کی نظروں سے اوجھل رہے"۔

قدیم مفسرین میں صحابہ کرامؓ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں جن کے لئے "علمی پسماندگی" کا قائل ہونا بڑی مذموم جسارت اور بدعقیدگی ہے خصوصاً جب کہ علم سے مراد شرعاً علم دین ہی لیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہی وراثۃ الانبیاء ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں :-

علم نبود جز بعلم عاشقی ما بقی تلبیس ابلیس شقی
علم دیں قرآن و فقہ و حدیث ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

پھر مشہور حدیث تابیر نخل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے زائد از دس سال بعد تک بھی، جب کہ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ جیسی آیتیں بھی نازل ہو چکی تھیں۔ علم النباتات کے ایک معمولی سے مسئلہ یعنی نباتات میں جنسیات کے وجود اور "مصنوعی بار آوری" سے بھی ناواقف تھے۔ تاہم اس سے آپؐ کے کارِ منصبی (دعوۃ و تبلیغ اسلام) میں ذرہ برابر نقص نہیں آتا۔ نیز یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ قرآن مجید کی ہر آیت کی صحیح تفسیر پر قادر تھے۔ جیسا کہ ثُمَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ سے ظاہر ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قرآن کی کسی بھی آیت کی صحیح اور بقدرِ ضرورت قابلِ فہم تفسیر کرنے کے لئے علومِ جدیدہ سے واقفیت ضروری نہیں۔

۲۔ "مصنف کے نزدیک بعض ایسے حقائق بھی ہیں جنہیں ابھی تک پوری طرح نہیں سمجھا گیا کیوں کہ انسانی علم خدا تعالیٰ کے علم کے سامنے بہرحال محدود ہے اور شاید آئندہ چل کر نئی خلائی سائنسی تحقیقات کی روشنی میں ان حقائق کو سمجھنا آسان ہو جائے"

مصنف نے اکثر قرآنی حقائق (متعلقہ تخلیق کائنات) سمجھ لئے ہیں، اس طور پر کہ اُن کے خیال میں سائنس سے ان کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ (ان کے خیال سے اس لئے کہا کہ احقر کے نزدیک بعض حقائق کی موجودہ سائنس پر تطبیق نہیں ہوتی۔) اور انہوں نے مان لیا ہے کہ قرآن حضورؐ کا کلام نہیں ہو سکتا۔ ساتھ ہی یہ حقیقت بھی ان پر واضح ہو گئی ہے کہ برخلاف قرآن کے بائبل سائنس کی کسوٹی پر کھری نہیں اترتی۔ اس تحقیق کو، جو انہوں نے غیر معمولی لگن کے ساتھ کی، بڑا مقتضا یہ تھا کہ وہ ایمان لے آتے، مگر اس لیکچر کے وقت تک وہ مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے جس سے قرآن پاک کی ان آیتوں کی تفسیر بآسانی سمجھ میں آ سکتی ہے۔

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ۔ وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَىٰ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ۔

دراصل ایمان لانے کے اسباب و وجوہ میں بڑا دخل توفیق الٰہی ہی کو ہے۔ اور کچھ ضروری نہیں کہ وہ قرآن کے بیان کردہ ایسے جملہ حقائق کو علوم جدیدہ پر پورے طور سے منطبق کر دینے پر بھی متحقق ہو سکے، البتہ ہمیں ان کو توفیق دیے جانے کی دعا کرنا چاہیئے۔ (بحمد اللہ ڈاکٹر صاحب مسلمان ہو چکے ہیں جس کا علم احقر کو اس تبصرہ کے لکھنے

کے بعد ہوا)

۳۔ صفحہ ۵۔ "یہ لیکچر قرآن کو سمجھنے کی ایک نئی جہت اور تفسیر کے ایک نئے پہلو سے ہمیں آگاہ کرتا ہے جسے نقطۂ آغاز سمجھ کر آگے بڑھا جا سکتا ہے۔ ایک غیر مسلم سائنسدان پہلی بار قرآن کا مطالعہ کرکے یہ حقائق دریافت کر سکتا ہے تو ہمارے اپنے علماء اور سائنسدان ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟"

جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے آیات قرآنی کی صحیح تفسیر اس نئی جہت اور اس نئے پہلو پر منحصر نہیں۔ اس لئے یہ چیز غیر ضروری ہے۔ پھر یہ کام کوئی ایسا شخص نہیں کر سکتا جو محض عالم ہو یا نرا سائنسدان، بلکہ وہی کر سکتا ہے جو عالم ہونے کے ساتھ ساتھ علوم جدیدہ میں بھی اعلیٰ درجہ کی مہارت رکھتا ہو۔ جو بظاہر ممکن نظر نہیں آتا۔ اگر خصوصی کوشش کے نتیجہ میں کوئی ایسا عالم تیار بھی کر لیا جائے تو تفسیر بالرائے کی وعید جو احادیث میں آئی ہے، اسے اس قسم کی تفسیریں کرنے سے مانع ہوگی۔ جیسی ڈاکٹر صاحب نے کی ہے یا تجویز فرمائی ہے (مثلاً[1] ستۃ ایام کو چھ ادوار سمجھنا۔ آسمان[2] سے مراد زمین کے علاوہ عالم بالا یعنی ستاروں، سیاروں اور کہکشانوں کا مجموعہ لینا۔ سات[3] کے عدد کو جو آسمانوں اور ایک سورۃ میں (مطابق حدیث) زمینوں کے لئے بھی آیا ہے محض علامت جمع سمجھ کر بہت سے آسمانوں اور زمینوں کے وجود کا قائل ہونا۔ لفظ[4] موسعون کا ترجمہ محض سائنسی نظریہ سے مطابقت پیدا کرنے کے لئے بجائے "وسیع القدرت" کے "پھیلانے والے" کرنا، کیونکہ سائنسی نظریہ کے مطابق کائنات برابر پھیلتی جا رہی ہے آیت[5] ۳۳ سورہ رحمٰن یا معشر الجن والانس ..... الا بسلطٰن سے خلائی تسخیر کا اشارہ نکالنا۔ آسمان[6] دنیا سے مراد نظام شمسی لینا۔ ما بینہما[7] (زمین اور آسمان کے درمیان) سے ایک طرح کے مادے کے پل مراد لینا جو باضابطہ فلکیاتی نظاموں سے باہر ہیں۔ یہ[8] دعویٰ کرنا کہ قرآن میں کواکب سے مراد سیارے ہے۔ نباتات[9] میں جنسیات کے وجود کی بنا پر لفظ ازواج سے نر و مادہ کے جوڑے مراد لینا۔ حالاں کہ اس کے معنی متقابل قسموں کے ہیں۔ سائنس[10] کے نظریہ "زندگی کی ابتدا پانی میں ہوئی" کو قرآن کی آیت "ہم نے پانی سے ہر جاندار شئے کو بنایا" کے مترادف سمجھنا وغیرہ وغیرہ) اور اگر بالفرض اس نے تفسیر بالرائے کی وعید کے علی الرغم اس قسم کی آیتوں کی تفسیروں کو ڈاکٹر صاحب کی طرح کھینچ تان کر علوم جدیدہ پر منطبق کر بھی دیا تو ان کو سمجھنے والے کتنے مسلمان مل سکیں گے؟ یقیناً عوام تو اس کو پڑھ کر گمراہ ہی ہوں گے کیونکہ وہ اس کو تو سمجھ نہ سکیں گے۔ اور صحیح اور عام فہم تفسیر ان کے سامنے نہ ہوگی اس لئے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ تفسیر پڑھنے ہی سے ہمیشہ کے لئے کنارہ کش ہو جائیں۔ اور طرح طرح کی گمراہیوں اور غلط فہمیوں میں مبتلا رہیں۔ غرض مترجم صاحب کی تجویز نہ قابل عمل ہے نہ مفید۔ بلکہ موجودہ لادینی ماحول میں سخت مضر بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے ساری کائنات کو جس کی وسعت کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ صرف سحابیہ سے بنا ہوا ثابت کر دیا ہے اور یہ نہیں بتایا کہ وہ سحابیہ اتنی مقدار میں کہاں سے آیا تھا جس سے یہ خطرہ کچھ بعید از امکان نہیں کہ قاری کہیں مادہ کو قدیم نہ سمجھنے لگے۔ بس

سلامتی اسی میں ہے کہ ہمارے علماء اور سائنسدان آیاتِ قرآنی کی تفاسیر کو علومِ جدیدہ پر منطبق کرنے کی خطرناک کوشش نہ کریں۔ آگے چل کر احقر اس کوشش کی خرابیاں انشاء اللہ بتائے گا۔

۴۔ صفحہ ۵۔ کیا دوسرے علوم و فنون کی طرح قرآن کو دریافت کرنے کا شرف بھی مغرب کو حاصل ہونے والا ہے؟ قرآن کو " دریافت کرنے " کا مطلب، اگر مترجم صاحب کے نزدیک تکوینی آیات کو علومِ جدیدہ کے عین مطابق ثابت کرنا ہی ہے تو یہ کام اہلِ مغرب کو کرنے دیجئے، شاید وہ اس تحقیق سے اسلام کے قریب آ سکیں۔ لیکن مسلمانوں کو ایسا کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ اول تو یہ تطبیق پورے طور سے ممکن نہ ہوگی جیسے حقیقتِ آسمان، مستقرِ شمس، پیدائشِ حیاۃ فی الماء، پیدائشِ جبال وغیرہ میں قرآنی آیات کا مفہوم متعلقہ سائنسی تفصیلات کی طرف مشیر نہیں۔ اور اگر کھینچ تان کر دونوں میں تطبیق پیدا بھی کر دی گئی تو عوام کے لئے ایسی تفاسیر ناقابلِ فہم ہوں گی۔ اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا مضر اور گمراہ کن بھی ہو سکتی ہیں۔ دوسرے ایسا کرنا قطعی بے ضرورت بھی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایسی آیتوں سے علومِ جدیدہ کی تعلیم تو مقصود ہے نہیں۔ اور جس مقصد کے لئے ان کا نزول ہوا ہے وہ ان کی معمولی تفاسیر سے (جو ڈاکٹر صاحب کے نزدیک ناکافی اور غلط ہیں) بھی بخوبی حاصل ہے۔ پھر ایک دشوار اور پُرخطر راہ میں قدم رکھنے سے کیا فائدہ؟ اگر یہ کہا جائے کہ سائنسی معلومات سے خدا کی عظمت و قدرت کا زیادہ انکشاف ہو کر ایمان و یقین میں ترقی ہوتی ہے تو یہ بات نظری طور پر تو درست معلوم ہوتی ہے لیکن عملاً ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر سائنسدان خدا کے وجود کے بھی قائل نہیں۔ جس کی وجہ غیر خدا پرستانہ ماحول، جذبۂ خدا پرستی سے خالی اساتذہ اور لادینی تعلیمات پر مشتمل کتابیں ہیں۔ بھلا جو طلباء اسکولوں اور کالجوں میں یہ پڑھیں کہ ہمارے بزرگ بندر تھے وہ تخلیقِ آدم کے قرآنی قصہ پر کیسے ایمان لائیں گے؟ جو یہ سمجھتے ہوں کہ ابھی سورج اربوں سال موجودہ حالت پر باقی رہے گا۔ وہ کیسے قیامت کو قریب سمجھ سکتے ہیں؟ جو لوگ پہاڑوں کو زمین کے بالائی پوست کے ٹھنڈا ہونے پر سکڑنے کے نتیجہ میں بنا ہوا سمجھیں ان کی سمجھ میں یہ بات کیوں کر آئے گی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو خصوصی طور پر زمین کی میخیں بنایا ہے تاکہ وہ ہمیں لے کر ہلنے نہ لگے؟

میرا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کو علومِ جدیدہ نہ پڑھنے چاہئیں۔ نہیں بلکہ حتی الامکان دیندارانہ ماحول میں خوب پڑھنے چاہئیں لیکن قرآن مجید کی تفاسیر کی تصحیح کے لئے نہیں بلکہ مفید ایجادات کے لئے جس میں افسوس ہے کہ مسلمان دنیا کی متمدن اقوام سے بہت پیچھے ہیں۔ اور اسی وجہ سے دنیا میں کمزور اور ذلیل ہیں۔ حتیٰ کہ جینے کے حق سے بھی محروم کئے جا رہے ہیں۔

۵۔ صفحہ ۶۔ " میرے خیال میں اسلام اور سائنس کے درمیان قرب کی بہترین وضاحت پیغمبرِ اسلام کی مندرجہ ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔

"علم حاصل کرو خواہ (اس کے لیے) چین کیوں نہ جانا پڑے"

یہ حدیث گویا انسان کے لئے علم سیکھنے اور اس میں اضافہ کرنے کی صلائے عام ہے۔

علماء محققین مثلاً حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے نزدیک " اُطلبوا العلم ولو بالصین " میں علم سے مراد علم دین ہے۔ جو اس زمانہ میں چین میں نہ تھا جب کہ سائنس کسی نہ کسی حد تک تھا۔ لفظ ولو (اگرچہ) فرض کرنے کے مفہوم میں آتا ہے یعنی بالفرض اگر چین میں بھی علم دین ہو تو وہاں سے بھی اسے حاصل کرو۔ حضرت مولانا نے اپنے بعض مواعظ میں اس حدیث پر کافی بحث کرکے یہی مطلب واضح فرمایا ہے۔ اگر حدیث کا وہ مطلب ہوتا جو ڈاکٹر صاحب نے سمجھا ہے یا بعض مسلمان بھی غلطی سے ایسا ہی سمجھتے ہیں تو کم از کم ابتدائے اسلام میں مسلمان ضرور دوسرے ملکوں میں ایسے علوم سیکھنے جایا کرتے مگر تاریخ سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ تاہم دنیوی علوم سیکھنے کے لیے سفر کرنا بھی جائز ہے اگرچہ حدیث مذکورہ اس کی مؤید نہیں۔

۶۔ صفحہ ۸۔ " اور قرآنی متن کی بہتر تشریح و تفہیم کے لئے بعض خالص سائنسی معلومات کو استعمال کیا جاتا ہے "۔ ہم دو پر ثابت کر چکے ہیں کہ قرآن کی کسی بھی آیت کی صحیح اور عام فہم تفسیر کرنے کے لئے علوم جدیدہ سے واقفیت ضروری نہیں۔ پس ڈاکٹر صاحب کا یہ قول کہ سائنسی معلومات کے ذریعے قرآنی متن (یعنی اس کی تکوینی آیات) کی بہتر تشریح و تفہیم ہوتی ہے صحیح نہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کسی آیت کی بہتر تشریح وہی کہلائی جا سکتی ہے جس سے اس کے نزول کا مقصد بآسانی پورا ہو سکے جو یقیناً سائنس پڑھانا نہیں ہے۔ بلکہ اظہار عظمت قدرت کے ذریعہ مخاطبین کو توحید کا قائل بنانا ہے۔ ڈاکٹر صاحب خود بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ ان کے قول "قرآن بنیادی طور پر ایک عظیم اور مقدس مذہبی کتاب ہے۔ اور بذات خود ہم اس سے کسی سائنسی مقصد کی توقع نہیں کر سکتے۔ مثلاً جب انسان کو امر تخلیق اور متعدد طبیعی مظاہر پر غور و فکر کی دعوت دی جاتی ہے۔ تو بظاہر اس دعوت کا مقصد باری تعالیٰ کی قدرت مطلق پر زور دینا ہے۔ (پمفلٹ زیر تبصرہ صد ۱۳) سے ظاہر ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا زمانہ نزول قرآن میں یا ہمارے اس سائنسی ترقی کے زمانہ میں بھی قرآن کا (مثلاً) سورج کو سراج وہاج اور چاند کو محض نورانی فرمانا اس مقصد کے لئے کافی ہے یا اس کی طویل سائنسی تشریح و تفصیل؟

اول الذکر کی تصدیق صرف مشاہدہ سے ہو جاتی ہے کیونکہ سورج تیز روشنی اور جھلسا دینے والی گرمی پہنچانے میں بھڑکتے ہوئے چراغ کی مانند ہے۔ اور چاند ہلکی اور ٹھنڈی روشنی دیتا ہے۔ اس لئے اسے نورانی کہنا ہی مناسب ہے اور یہ دونوں چیزیں اپنے خالق کے وجود اور اس کی توحید پر دلالت کرتی ہیں۔ اب ان کے متعلق آخر الذکر یعنی سائنسی تشریحات کو لیجئے تو پہلے تو مخاطب کو یہ بتانا پڑے گا کہ تخلیق کائنات سے قبل فضا بسیط سحابیہ سے پُر تھی جو دھوئیں سے مشابہ ایک چیز تھی جس میں ہائیڈروجن اور ہیلیم گیسوں کے ذرات ملے ہوئے تھے جو متحرک اور نا قابل تصور درجہ

حرارت پر تھے۔ کسی حادثہ یا دھماکے کے نتیجے میں اس سحابیہ میں انشقاق پیدا ہوا جس سے وہ لاتعداد ستاروں کے مجموعوں میں منقسم ہوگیا۔ ان میں سے ایک مجموعہ میں ہمارا سورج بھی ہے جس کا کچھ حصہ ٹوٹ کر آٹھ یا نو سیارے بن گئے جو مختلف مداروں میں مختلف چال سے سورج کے گرد گھومنے لگے۔ ان سیاروں میں ایک ہماری زمین بھی ہے۔ پھر زمین سے ایک ٹکڑہ علیحدہ ہوکر چاند یا ذیلی سیارہ بن کر زمین کے گرد ساڑھے انتیس دن میں اوسطاً دو لاکھ چالیس ہزار میل کے فاصلہ پر رہ کر ایک چکر پورا کرنے والا ہوا۔ زمین سے سورج بلحاظ وزن تین لاکھ گنا اور بلحاظ حجم تیرہ لاکھ گنا ہے اندرونی احتراق کے نتیجہ میں، جو اس میں برابر ہوتا رہتا ہے اس سے تیز روشنی اور گرمی خارج ہوتی رہتی ہے اس لئے اس کو "سراج وہاج" کہنا مناسب ہوا۔ اور چاند چونکہ خود روشن نہیں بلکہ سورج کی روشنی جو اس پر پڑتی ہے اسی کو زمین کی طرف منعکس کرتا ہے۔ یعنی اس کی روشنی سورج سے مستعار ہے۔ اس لئے اسے صرف نورانی کہہ سکتے ہیں اس پر اگر مخاطب، یہ سوالات پیش کرے کہ سحابیہ، سورج اور زمین میں مذکورہ حوادث کیوں واقع ہوئے؟ جب زمین سورج کا ہی ٹکڑہ تھی تو اس میں اندرونی احتراق کی خاصیت سورج والی کیوں باقی نہ رہی یا جب چاند زمین کا ہی ایک ٹکڑہ تھا تو اس میں زمین کے خواص مثلاً کرہ ہوا، باد و باراں، نباتات، وحیوانات وغیرہ کیوں نہ پیدا ہوئے وغیرہ — مجھے یقین نہیں کہ اس قسم کے سوالات، واشکالات جو اس تشریح کے متعلق پیدا ہوں گے۔ سائنس سے ان کے جوابات، شافی مل سکیں گے اور بالآخر ایک منصف سائنسدان بھی یہی کہنے پر مجبور ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں ہی چاہا اور زبان حال سے ؎

هرچه دانا کند کند نادان ۔۔۔ لیک بعد از خرابی بسیار

کا مصداق ہوگا۔ اب ڈاکٹر صاحب اور قارئین کرام خود فیصلہ کرلیں کہ کیا سائنسی تشریح و تفہیم موجودہ سیدھی سادی اور صحیح تفاسیر کے مقابلہ میں "بہتر" سمجھی جانے کی کسی درجہ میں بھی مستحق ہے؟ پھر یہ بات بھی کچھ بے وزن نہیں کہ بعض سائنسی نظریات جن کی بنیاد ظن وتخمین پر ہوتی ہے کبھی غلط ثابت ہوتے ہیں یا کم از کم ان کی صحت مشکوک ہو جاتی ہے مثلاً یہ نظریہ کہ چاند زمین کا ٹکڑا ہے مشکوک ہوگیا ہے کیونکہ چاند کی بعض چٹانیں (جو وہاں پہنچنے پر دستیاب ہوئی ہیں) طبقاتی جانچ کرنے پر زمین کی چٹانوں سے زیادہ پرانی ثابت ہوئی ہیں۔ ایسی صورت میں سائنسی معلومات پر مبنی بعض آیتوں کی تشریح وتفہیم کو عام تفاسیر سے بہتر تو کجا اپنی جگہ صحیح بھی نہیں سمجھا جاسکتا۔

دوسری مثال ملاحظہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

ہم رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹتے ہیں۔ یا دن کو رات پر سے اتار لیتے ہیں اس کا سیدھا سادہ مطلب تو رات و دن کا تواتر ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے وسیع القدرت ہونے اور اس کی توحید پر دلالت ہوتی ہے۔ لیکن اگر ان آیتوں کی سائنسی تشریح وتفہیم کی جائے تو مخاطب کو پہلے یہ سمجھانا پڑے گا کہ کرۂ زمین (جس کا گیند کی طرح تقریباً

آٹھ ہزار میل قطر کا ایک کروی جرم ہونا اس نے تسلیم کر لیا ہو) کا نصف حصہ ہمیشہ سورج کے سامنے رہتا ہے اور وہاں دن اور دوسری طرف والے نصف حصہ میں رات ہوتی ہے۔ پھر اس کو یہ بتانا پڑے گا کہ کرۂ زمین اپنے محور پر ایک دن رات یعنی چوبیس گھنٹے میں ایک چکر لگاتا ہے جس سے روشن حصہ تاریکی میں اور تاریک حصہ روشنی میں آتا رہتا ہے اسی کو اللہ تعالیٰ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹنا یا دن کو رات پر سے اتار لینا فرماتے ہیں۔ اس پر اگر مخاطب یہ سوال کرے کہ زمین کی محوری گردش کی وجہ کیا ہے اور اس گردش کی رفتار اتنی ہی کیوں ہے کہ چوبیس گھنٹے میں ایک چکر پورا ہو؟ تو پھر سائنسدانوں کو یہی کہنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح چاہا۔

تیسری مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا ہے کہ ہم رات کو دن میں داخل کر دیتے ہیں جس سے دن بڑھ جاتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتے ہیں جس سے رات بڑھ جاتی ہے۔ یہ حقیقت ہر شخص کو مشاہد ہے، سائنس اس کی یہ وجہ بیان کرتی ہے کہ زمین اپنے بیضاوی مدار جس میں سورج سے تقریباً نو کروڑ ۳۶ لاکھ میل کے فاصلہ پر رہتے ہوئے ایک سال (۳۶۵ ¼ دنوں) میں ایک چکر لگاتی ہے۔ یہ گردش اس کی محوری گردش مذکورہ بالا کے علاوہ ہے۔ پھر ایک عجیب بات یہ ہے کہ اس کا محور سطح مدار پر عموداً واقع نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ۶۶ ½ درجہ کا زاویہ بناتا ہے۔ نیز یہ جھکاؤ ہمیشہ ایک ہی سمت میں رہتا ہے جس کے نتیجہ میں سورج کی شعاعیں کبھی خطِ استوا پر سیدھی پڑتی ہیں تو کبھی خطِ سرطان پر اور کبھی خطِ جدی پر جس سے دن رات گھٹتے بڑھتے اور موسم بدلتے رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ توجیہہ عوام کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ اور اس میں بھی محور کے جھکاؤ کی کوئی وجہ سائنس سوا اس کے نہیں بتا سکتا کہ خدا نے ہی جھکا رکھا ہے۔

ایک اور مثال لیجئے۔ سورہ رحمٰن آیت ۱۹، ۲۰ میں ہے۔ اس نے دو دریاؤں کو (صورۃً) ملا یا کہ باہم ملے ہوئے ہیں (مگر حقیقۃً) ان دونوں کے درمیان ایک حجاب (قدرتی) ہے کہ دونوں (کے پانی اپنے رنگ اور ذائقہ کے ساتھ الگ الگ رہتے ہیں۔ اور ایک دوسرے میں داخل ہونے کے لئے) بڑھ نہیں سکتے

یہ کیفیت دو ندیوں کے سنگم پر یا کسی دریا کے سمندر میں گرنے کے مقام پر مشاہدہ سے ہر شخص کو معلوم ہو سکتی ہے۔ اور غور و فکر کرنے والے بآسانی اس سے اللہ تعالیٰ کی عجیب و عظیم قدرت اور توحید پر استدلال کر سکتے ہیں۔ سائنسی معلومات کے اعتبار سے یہ حجاب یا برزخ "سطحی تناؤ" کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔ جس کو آج کل بھی سائنس سے ناواقف لوگ سمجھانے سے بھی نہیں سمجھ سکتے۔ اور سمجھنے والوں کو بھی یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ پانی میں یہ خاصیت اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کی ہے۔

اس مختصر سے تبصرہ میں گنجائش نہیں ورنہ میں ہر تکوینی آیت کے متعلق یہ دکھاتا کہ اس کی جو تفسیر ممتاز مفسرین (خصوصاً حضرت تھانویؒ) نے کی ہے۔ وہی اس کے مقصد نزول کے اعتبار سے بہترین اور ہر زمانہ کے لوگوں کے لئے

بآسانی قابلِ فہم ہے اور سائنسی معلومات سے اس کی بہتر تشریح و تفہیم نہیں ہوتی کیونکہ ایسی تشریح و تفہیم زمانۂ نزول قرآن میں تو سبھی کے لئے ناقابلِ فہم تھی۔ اور آج بھی یہ سیاستدانوں یعنی عوام کے لئے ایسی ہی ہے۔

اور یہ تو ان سائنسی معلومات کا ذکر ہے جن کی طرف قرآنی آیات میں اشارے ملتے ہیں۔ مگر بعض آیات کو نو سائنسی نظریات و انکشافات پر منطبق کرنا بالکل ہی غلط ہے۔ (مثلاً قرآن سے ہر شئے نر و مادہ کے جوڑوں کا وجود ثابت کرنا۔ زندگی کا آغاز پانی سے ہوا سمجھنا وغیرہ) جن کی کچھ تفصیل نمبر ۳ میں اوپر آچکی ہے۔

اخیر میں یہ بھی عرض کردوں کہ سائنس سے بعض مظاہر قدرت کی توجیہہ ٹھیک ہوتی ہے لیکن جیسے مٹھائی کھانے کے خواہشمند کو اس کے بنانے کا طریقہ معلوم کرنے کے درپے ہونا بے کار ہے اسی طرح قرآنی آیتوں کی بلا ضرورت صحیح تفاسیر کے لئے اُن توجیہات میں پڑنا غیر ضروری ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ عام فہم بھی نہ ہوں۔ البتہ تبلیغ اسلام میں اس کی مدد لی جاسکتی ہے۔

۷۔ صفحہ ۸۔ "بلکہ اس ایک صدی میں جب کہ بہت سے سائنسی انکشافات نے مذہبی عقیدہ کی جڑیں کھوکھلی کر کے رکھ دی ہیں۔ انہی انکشافات کی روشنی میں قرآن مجید کی آیات کے معروضی مطالعہ نے وحی آسمانی کے بعض پہلوؤں کے مافوق الفطرت کردار پر روشنی ڈالی ہے۔" تعجب ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو قرآن کا وحی آسمانی ہونا دلیل سے معلوم ہو چکا ہے۔ پھر بھی وہ اب تک دولت ایمان سے محروم ہیں۔ رہا سائنسی انکشافات کا مذہبی عقائد کی جڑیں کھوکھلی کر دینے کا سوال تو مذہب اسلام کے متعلق یہ خیال بالکل غلط ہے جیسا کہ ڈاکٹر صاحب کو خود اس کا اعتراف ہے۔

۸۔ صفحہ ۱۰۔ "اگر ہم قرآن کی پرانی تفاسیر کو دیکھیں تو ہمیں پتہ چلے گا کہ باوجودیکہ وہ تمام اصحابِ تفسیر اپنے اپنے زمانہ میں علم و دانش میں بہت ممتاز گردانے جاتے تھے۔ لیکن ان آیات کے معانی سمجھنے میں مکمل طور پر ناکام رہے ہیں۔" جو تفسیریں ایسی آیات کی اسلاف نے کی ہیں وہ کافی ہیں۔ پس وہ ناکام قطعی نہیں رہے۔ اگر ان کو ناکام سمجھا جائے تو ناکامی کا یہ سلسلہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے گا۔ جس کا کوئی مسلمان تصور بھی نہیں کرسکتا۔ (جاری ہے)

ندوۃ المصنفین کی ایک تازہ ترین پیشکش